بسم اللہ الرحمٰن الرحیم   نحمدہٗ و نصلّی علیٰ رسولہ الکریم

رسالہ

اصولِ احمدیت

یعنی وہ معرکۃ الآراء تقریر جو بمقام قصور مورخہ ۲۵ جنوری ۱۹۳۴ء کو

حضرت میرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثانی

ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

نے

۷½ بجے شام مجمع عام میں فرمائی

جسے

بعہدِ خلافتِ ثانیہ

خاکسار محمد عنایت اللہ تاجر کتب قادیان (پنجاب) نے شائع کیا

تعداد طبع ایک ہزار [illegible] مطبع [illegible] دسمبر ۱۹۳۴ء

قیمت دو آنہ   [illegible] شیخ رحمت اللہ صاحب شاکر   بار اول

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ٭ نحمدہ و نصلی علےٰ رسولہ الکریم

اجازت نامہ نظارت تالیف و تصنیف

"بخدمت مولوی محمد عنایت اللہ صاحب تاجر کتب قادیان

السّلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ:-

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالےٰ بنصرہ العزیز کی تقریر

"احمدیّت کے اصول"

جو مقام قصور ہوئی تھی۔ اور الفضل میں چھپ چکی ہے۔ بصورت رسالہ چھپوانے کی آپ کو اجازت دی جاتی ہے۔

(چوہدری) فتح محمد سیال (ایم۔ اے)
ناظر تالیف و تصنیف

۲۸۸
۳/۱۱/۳۴

شکریہ مندرجہ بالا اجازت کے لئے خاکسار نظارت تالیف و تصنیف و نظارت دعوۃ و تبلیغ کا از حد ممنون و مشکور ہے۔ خدا تعالیٰ جزاء خیر دے۔

خاکسار
محمد عنایت اللہ تاجر کتب قادیان (پنجاب)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

27/11/79

احمدیت کے اصول

بسم اللہ الرحمن الرحیم یسبح للہ ما فی السموات
وما فی الارض الملک القدوس العزیز الحکیم۔ ھو الذی بعث فی الامیین
رسولاً منھم یتلوا علیھم آیاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ وان
کانوا من قبل لفی ضلل مبین واخرین منھم لما یلحقوا بھم وھو العزیز الحکیم۔

سلسلہ احمدیہ کی بنیاد

آج کا مضمون احمدیت کے اصول کے متعلق ہے۔ سلسلہ احمدیہ کوئی نیا مذہب کوئی نیا طریقہ نہیں ہے۔ بلکہ جیسا کہ اس سلسلہ کے بانی نے لکھا ہے:۔
اس سلسلہ کی غرض احیاء اسلام۔ اشاعت اسلام۔ قیام اسلام اور تائید اسلام ہے۔ اور اس غرض کو مدنظر رکھتے ہوئے کسی کا یہ امید رکھنا کہ سلسلہ احمدیہ کوئی ایسی بات پیش کرے۔ جو اس زمانہ سے پہلے دنیا میں موجود نہ تھی ایک غلط امید اور آرزو ہوگی۔ جس سلسلہ کی بنیاد ہی اس عقیدہ پر ہے۔ کہ اسلام کو اس کی صحیح صورت میں اور اسی صورت میں کہ جس میں رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُسے پیش کیا تھا۔ جس صورت میں کہ قرآن کریم نے اُسے بتایا ہے۔ دنیا کے سامنے پیش کرے۔ اس کے دعوے کی صداقت اس امر پر مبنی نہیں ہو سکتی ہے۔ کہ وہ ..... کونسی سچائیاں پیش کرتا ہے۔ بلکہ اس امر میں ہے۔ کہ وہ ایک شوشہ میں بھی حقیقی اسلام سے انحراف نہیں کرتا۔ جب ایک مصور زید یا بکر کی تصویر کھینچتا ہے۔ تو اس کا کمال اس میں نہیں۔ کہ زید کے ناک کی بجائے اور لنگ کا ناک بنا دے۔ خواہ وہ اصل سے خوبصورت

ہی کیوں نہ ہو۔ یا اصل سے مختلف ماتھا بنا دے۔ فرض کرو۔ زید کا ماتھا اچھا نہیں لیکن اگر مصوّر تصویر میں زیادہ خوبصورت ماتھا بنا دیتا ہے۔ تو ہر عقلمند کہیگا۔ کہ یہ مصوّر اچھا نہیں۔ مصوّر کا کمال اسی میں ہے۔ کہ اگر اصل کا ماتھا خوبصورت ہے۔ تو اسی قسم کا تصویر میں ظاہر کرے۔ اور اگر بدصورت ہے۔ تو ویسی ہی بدصورت تصویر میں دکھائے :۔

پس سلسلہ احمدیہ کے دعوے کے مطابق اس کی صداقت اس امر میں ہے۔ کہ وہ ہُو بہو اسلام کا نقشہ پیش کرے۔ جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا قرآن کریم نے پیش کیا ہے۔ قطع نظر اس سے کہ دنیا اسے اچھا سمجھتی ہے یا بُرا۔ یہ فیصلہ بعد میں ہو گا۔ اصل چیز یہی ہے۔ اور اس کا دعویٰ تبھی ثابت ہو گا۔ جب وہی چیز پیش کرے۔ جو قرآن کریم اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیش کی ہے۔ پس سب سے پہلے میرے مضمون کو سمجھنے کے لئے یہ ضروری ہے۔ کہ یہ سلسلہ کسی نئی بات کے پیش کرنیکا مدّعی نہیں۔ بلکہ صحیح اسلام پیش کرنے کا مدّعی ہے۔ اور یہ دیکھنا چاہیئے۔ کہ اس نے ایسا کر دیا ہے یا نہیں :۔

دنیا میں صفات الٰہی کی جلوہ گری

مَیں نے قرآن کریم کی تین آیات پڑھی ہیں۔ جن میں رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم اور آپؐ کی بعثت کا مقصد بیان کیا گیا ہے۔ اس کی تشریح کرنے کے بعد میں بتاؤں گا۔ کہ سلسلہ احمدیہ نے اسی پورا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اے بندے! تو اس کلام کے پڑھنے سے پہلے کہو۔ میں اللہ کے نام کیساتھ شروع کرتا ہوں جو بے انتہا کرم کرنیوالا اور بار بار رحم کرنیوالا ہے۔ اس کے بعد فرمایا یسبح للہ

مافی السمٰوٰت ومافی الارض۔ دنیا میں جدھر نگاہ ڈالو۔ آسمانی طاقتیں بھی اور زمینی بھی یہ امر ثابت کر رہی ہیں۔ کہ انکا پیدا کرنیوالا ہر عیب سے پاک اور مبرا ہے۔ الملک القدوس العزیز الحکیم۔ وہ ملک یعنی بادشاہ ہے۔ القدوس تمام پاکیزگیوں کا جامع ہے۔ یعنے صرف عیوب سے ہی مبرا نہیں بلکہ ہر قسم کی خوبیاں بھی اپنے اندر رکھتا ہے۔ العزیز غالب ہے۔ دنیا کی کوئی طاقت اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ الحکیم۔ اس کی تمام باتیں حکمت پر مبنی ہیں۔ تو انہی چار صفات کو تم دنیا میں جلوہ گر دیکھو گے۔ ایک خدا کی ملکیت۔ ایک قدوسیت یعنے پاکیزگی۔ ایک غلبہ یعنی ہر چیز اسکے حکم کے

اللہ تعالیٰ کی چار صفات اور آنحضرتؐ کے چار کام

نیچے چل رہی ہے۔ اور ایک حکمت یہ چار باتیں ہیں۔ جو ہر جگہ نظر آئیں گی۔ لیکن ہر آنکھ بینا نہیں ہوتی۔ اور ہر عقل رسا نہیں ہوتی۔ ہر ذہن حقیقت کو سمجھنے والا نہیں ہوتا۔ اسلئے ضروری ہے کہ سمجھانے کے لئے کوئی اُستاد بھی ہو۔ اس لئے فرمایا۔ ھوالذی بعث فی الامیین رسولاً منھم وہی خدا ہے۔ الملک القدوس العزیز الحکیم۔ جس نے اُمی لوگوں میں یعنی ان لوگوں میں جو صداقتوں سے بالکل بے بہرہ تھے۔ اپنا ایک رسول بھیجا۔ وہ باہر سے نہیں آیا۔ کہ تم کہہ سکو کہیں سے سیکھ کر آیا ہے۔ بلکہ وُہ انہی میں سے تھا۔ جیسے یہ امی تھے ویسا ہی وہ تھا۔ اس نے کسی اور جگہ زندگی بسر نہیں کی۔ کہ کہا جا سکے وہ کہیں سے علوم وفنون سیکھ کر آیا ہے۔ یہ لوگ اس کی تمام زندگی کے ہر لمحہ سے واقف ہیں۔ اور جانتے ہیں۔ کہ اُس نے کسی سے سبق نہیں پڑھا۔ باہر سے کوئی تعلیم حاصل نہیں کی۔ بلکہ وہ انہی میں سے ایک ہے۔ وہ کیا کرتا

ہے فرمایا۔ یتلوا علیھم آیاتہ وہاں پہلے ملک فرمایا تھا۔ اور یہاں
اسکے مقابل میں یتلوا علیھم آیاتہ فرمایا۔ یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی بادشاہت
ثابت کرتا ہے۔ بادشاہ اسے کہتے ہیں۔ جس کی باقاعدہ حکومت ہو۔ فوج انتظام
کرنے کے لئے اور پولیس مجرموں کو پکڑنے کے لئے موجود ہو۔ بدمعاشوں کی سزایابی
اور مقدمات کے تصفیہ کے لئے عدالتیں ہوں۔ جس کا سکہ رواں ہو۔ یا پرانے زمانہ
میں بادشاہ کی یہ نشانی سمجھی جاتی تھی۔ کہ جس کی مہر دنیا میں رائج ہو۔ جسکا تاج وتخت
ہو۔ غرضیکہ بادشاہت کے لئے کسی دلیل کی ضرورت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے
کہ ہمنے اپنی چار صفات بیان کی ہیں۔ اور ان کے ثبوت کے لئے ہمنے یہ ذریعہ
مہیا کیا ہے۔ کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیج دیا ہے۔ جو ان چاروں صفات
کو دنیا میں ظاہر کرتا ہے۔ پہلی صفت الملک بیان کی تھی۔ اس کے متعلق فرمایا
رسول کا کام یہ ہے۔ کہ یتلوا علیھم آیاتہ یہ وہ دلائل سناتا ہے جن سے
پتہ لگتا ہے کہ دنیا کا کوئی بادشاہ ہے۔ دوسری صفت القدوس بیش کی تھی۔
اس کے مقابل رسول کا کام یہ بتایا۔ ویزکیھم کہ دنیا کو پاک کرتا ہے۔ عالم کی
علامت کیا ہوتی ہے۔ یہی کہ وہ دوسروں کو پڑھاتا ہے۔ اور دوسرے لوگ اسکے
ذریعہ عالم ہو جاتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ کی قدوسیت کا ثبوت یہ ہے۔ کہ اس
کیطرف سے آنیوالے دنیا کو پاک کرتے ہیں۔ محمد رسول اللہ گندے لوگوں کو
لیتا ہے۔ اور اس کے ہاتھ میں آکر وہ پاک ہو جاتے ہیں۔ تیسری صفت عزیز
یعنے غالب ہے۔ ہر چیز اسکے قبضہ میں ہے۔ وہ صرف نام کا ملک نہیں۔ بلکہ
اس کی ملوکیت ہمیشہ جاری ہے۔ اور اس کا ثبوت یہ دیا۔ کہ ویعلمھم الکتاب
وہ دنیا میں خدا کے قانون اور شریعت کو رائج کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قانون
کو دنیا میں نافذ کر کے اس کی عزیزیت ثابت کرتا ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم نے آکر دنیا میں الٰہی قانون کو رائج کیا۔ اور اس طرح بتا دیا۔ کہ خدا عزیز ہے۔ **چوتھی چیز الحکیم ہے**۔ اس کی کوئی بات **حکمت سے خالی** نہیں۔ اس کے مقابل رسول کا کام یہ بتایا۔ کہ یعلمھم الکتاب والحکمۃ۔ ہر بات جو وہ کہتا ہے۔ اس کی حکمت بھی ساتھ ہی بیان کر دیتا ہے۔ دنیوی بادشاہ ایسا نہیں کرتے۔ وہ کہہ دیتے ہیں۔ کہ بس ہمارا حکم ہے ایسا ہو۔ وجہ کوئی نہیں بیان کرتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کرتا حالانکہ دنیا کے بادشاہوں کی اس کے مقابل میں کوئی ہستی ہی نہیں۔ لیکن وہ کہتے ہیں۔ ہمارے سامنے کون بول سکتا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ یہ نہیں کہتا۔ بلکہ یہ کہتا ہے۔ کہ اس میں تمہارا فایدہ ہے۔ وہ انسان کی **عقل پر حکومت** کرتا ہے۔ زبردستی نہیں کرتا۔ اور خدا کے حکیم ہونیکا ثبوت یہ ہے۔ کہ محمدؐ ہر شعبۂ زندگی کے متعلق تعلیم دیتا ہے۔ مگر اس کا مقصد اسکی غرض خوبیاں اور فوائد ساتھ بیان کرتا ہے۔ تو اللہ تعالےٰ نے اپنی چار صفات کے مقابل چار کام بیان فرمائے۔ مگر یہ کام رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہی آکر بیان نہیں فرمائے بلکہ قرآن مجید اور دیگر کتب سماویہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کام پہلے سے چلے آتے ہیں۔ مکہ کی تجدید کے موقعہ پر ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی تھی۔ کہ ربنا وابعث فیھم رسولاً منھم یتلوا علیھم آیاتک ...... ویعلمھم الکتاب والحکمۃ ویزکیھم یعنی اے میرے رب میں نے اپنی اولاد یہاں لاکر بسائی ہے۔ اور میں دعا کرتا ہوں۔ کہ جسوقت اس قوم میں جہالت پیدا ہو جائے۔ اور یہ نور کے محتاج ہوں۔ تو ان میں سے ہی ان کے لئے ایک رسول بھیجیو۔ جو ان کو تیری آیات اور نشانات سنائے۔ تیری شریعت سکھائے۔ احکام شریعت کی حکمت بتائے۔ اور انہیں پاک کرے۔ گویا یہی چار باتیں ہیں جو مانگی گئی تھیں۔ جو ان چار صفات یعنی ملکیت

قدوسیت۔ عزیت اور حکیمیت کا اظہار ہے۔ اور یہ چار کام تھے جو رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آکر کئے۔ پہلا کام

صفت ملکیت کا اظہار

یتلوا علیھم ایاتہ ہے۔ اسکے کیا معنی ہیں۔ جیسا کہ میں نے بتایا ہے یہ صفت ملکیت کے اظہار کے لئے ہے کوئی بادشاہ ہونا چاہیئے۔ اور اس میں کہ بادشاہ ہے بہت بڑا فرق ہے۔ اگر کسی ملک کا کوئی باقاعدہ نظام نہ ہو۔ آئین نہ ہو۔ تنازعات کے فیصلہ کیلئے عدالتیں نہ ہوں۔ فوج نہ ہو۔ پولیس نہ ہو۔ اور ایک شخص دلائل دیتا جائے۔ کہ بادشاہ ضرور ہونا چاہیئے۔ تو سننے والا یہی کہیگا۔ کہ جب کوئی نظر تو آتا نہیں۔ نہ ملک کی بہبودی اور بہتری کیلئے کوئی کوشش ہو رہی ہے۔ نہ بدمعاشوں کے لئے پولیس یا فوج ہے۔ تو صرف چاہیئے سے اسکے وجود کو کس طرح تسلیم کر لیا جائے۔ عقلی دلائل سکھانے کے لئے کسی نبی کے آنے کی ضرورت نہیں ہوا کرتی۔ کیونکہ یہ تو ہر شخص جان سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ہستی کے متعلق بھی عقلی دلائل ہر انسان کی فطرت میں پائے جاتے ہیں۔ ان کے لئے بھی کسی نبی کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔ ایک فلاسفر کے متعلق مشہور ہے۔ کہ اس نے کسی جاہل سے پوچھا خدا کی ہستی کا ثبوت کیا ہے۔ اس نے کہا۔ ہم جنگل میں مینگنیاں پڑی دیکھتے ہیں۔ تو سمجھ لیتے ہیں۔ کہ کوئی بکری ادھر سے گذری ہے۔ پھر اتنی بڑی کائنات کو دیکھنے سے یہ کیوں نہیں سمجھ سکتے۔ کہ کوئی خدا ہے۔ تو خدا تعالےٰ کے متعلق ہر انسان کی فطرت بول پڑتی ہے۔ اور اس قسم کے دلائل کیلئے کسی نبی کی ضرورت نہیں ہوا کرتی۔ یہاں اللہ تعالےٰ بتاتا ہے۔ کہ ایسے دلائل تو مکہ والوں کو بھی معلوم تھے۔ ان میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے پہلے ایسے لوگ تھے۔ جو شرک کے خلاف تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ

کے ایک چچا ہمیشہ شرک کے خلاف تعلیم دیا کرتے تھے۔ اُن سے سوال کیا گیا آپ محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان کیوں نہیں لاتے۔ تو جواب دیا کہ میں نے شرک کے خلاف اتنی کوشش کی ہے۔ کہ میں سمجھتا ہوں۔ کہ اگر کوئی نبی آنا ہوتا تو وہ میں ہوتا۔ غرض رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے قبل بھی ایسے لوگ تھے۔ جو شرک کے خلاف تھے۔ اور وہ بغیر کسی دلیل کے اس بات کے مدّعی تھے۔ کہ خدا ہے۔ پھر اللہ تعالےٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کیوں مبعوث کیا۔ یہ صاف بات ہے۔ کہ انسان کی عقلی ایمان پر تسلی نہیں ہو سکتی دلائل صرف چاہیئے تک پہنچاتے ہیں ہے تک نہیں مگر نبی خدا کی صفات کو ظاہر کر کے بتا دیتے ہیں۔ کہ

آنحضرتؐ نے زندہ خدا پیش کیا

خدا ہے۔ محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آکر دنیا کو یہ نہیں بتایا کہ خدا چاہیئے۔ بلکہ یہ دکھا دیا۔ کہ خدا ہے۔ اور آپ نے اپنی زندگی کے ہر عمل سے دکھا دیا۔ کہ **ایک زندہ خدا** موجود ہے۔ تاریخ اسلام میں اسکی کئی مثالیں ملتی ہیں۔ میں ان سب کو بیان نہیں کر سکتا۔ اس وقت صرف ایک بیان کرتا ہوں۔ جسے بچے بھی جانتے ہیں۔ یہ ایک تاریخی واقعہ ہے۔ کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکّہ سے ہجرت کر کے گئے۔ تو غار حرا میں جاکر ٹھہرے۔ قریش نے تلاش شروع کی۔ اور کھوجی کی مدد سے عین غار کے منہ تک پہنچ گئے۔ کھوجی نے وہاں پہنچکر پورے وثوق سے کہا۔ کہ یہانتک آئے ہیں۔ اب یہ تو ہو سکتا ہے۔ کہ یہاں سے آسمان پر چڑھ گئے ہوں۔ مگر اس سے آگے ہرگز نہیں گئے۔ مگر اللہ تعالےٰ نے ایسے حالات پیدا کر دئیے۔ اور مکڑی نے غار کے منہ پر جالا تن دیا۔ اسے دیکھکر ان میں سے ایک نے کہا۔ میں تو ہمیشہ یہاں آتا ہوں۔ یہ غار تو ویسی کی ویسی ہی ہے۔ اور ہمیشہ ایسی ہی حالت

ہیں ہوتی ہے۔ کھوجیوں پر اہل عرب بہت اعتماد رکھتے تھے۔ کھوجی پورے
یقین سے کہتا ہے۔ کہ اسجگہ سے آگے نہیں گئے۔ وہ لوگ غار کے منہ پر
کھڑے ہیں۔ اسوقت حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالےٰ کے دل میں خیال اور
خوف پیدا ہوتا ہے۔ اور بعد کے واقعات بتاتے ہیں۔ کہ ان کا یہ خوف
اپنی جان کے لئے نہیں۔ بلکہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے تھا۔
آپ کچھ گھبراہٹ کا اظہار کرتے ہیں۔ اسوقت رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم
فرماتے ہیں۔ ڈرتے کیوں ہو۔ اللہ تعالےٰ ہمارے ساتھ ہے۔ اور یہ
ایک ایسا جملہ ہے۔ جو خدا ہونا چاہیئے کہنے والے کے منہ سے نہیں نکل سکتا
جنہوں نے خدا کو دیکھا نہیں ہوتا۔ وہ ایسی حالت میں نہیں کہتے کہ خدا ہے
وُہ ہمیں بچائیگا۔ بلکہ وہ ایسے موقعہ پر جان بچانے کے لئے کئی حیلے اختیار
کرتے ہیں۔ کبھی جھوٹ کبھی فریب اور کبھی خوشامد سے جان بچانے کی
کوشش کرتے ہیں۔ ان کے اندر یہ احساس نہیں ہوسکتا۔ کہ نڈر ہوکر کہیں
خدا ہمارے ساتھ ہے۔ اور دشمن ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ چنانچہ کھوجی نے ان
لوگوں سے کہا بھی۔ کہ غار کے اندر دیکھو۔ مگر کسی نے نہ دیکھا۔ اور اوپر ہی کھڑے
ہو کر واپس چلے گئے۔ یہ ایک ایسی مثال ہے۔ جسے مسلمان بچے بھی جانتے ہیں
ورنہ آپ کی زندگی کی ہر ساعت میں آپؐ نے اپنے عمل سے بتایا ہے۔
کہ ایک زندہ خدا موجود ہے۔ اور آپؐ اُسے پیش کرتے تھے۔ اور ایسی
طرح کہ کسی کو انکار کی گنجائش نہ رہتی تھی۔ مکہ میں بھی اور مدینہ میں بھی یہی حالت
تھی۔ اور ہر جگہ آپؐ نے خدا کا جلال اور ارفع و اعلیٰ شان پیش کی۔ بلکہ
قبل از وقت واقعات بتا دیئے۔ حتیٰ کہ بدر کی جنگ کے متعلق صحابہؓ کا
بیان ہے۔ کہ آپؐ نے ہمیں یہانتک بتا دیا تھا۔ کہ فلاں فلاں کافر فلاں

فلاں جگہ مارا جائیگا۔ اور اس سے خدا کا ہونا ثابت ہوتا ہے۔ یہی چیز ہے جس کیلیئے نبی مبعوث ہوتے ہیں۔

صحابہؓ کے زندہ خدا کو دیکھنے کا ثبوت

عقلی دلائل کے لیئے کسی نبی کی حاجت نہیں ہوا کرتی۔ بو علی سینا کے متعلق لکھا ہے کہ اُن کا ایک شاگرد ایک دفعہ اُن کی قابلیت سے اس قدر متاثر ہوا۔ کہ کہنے لگا۔ آپ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی بڑھ گئے ہیں۔ بو علی سینا یہ بات سُنکر خاموش رہے۔ سردی کا موسم آیا۔ تو ایک تالاب کا پانی منجمد ہو رہا تھا۔ اور اسپر برف کی پیڑیاں جمی ہوئی تھیں۔ آپ نے اس سے کہا اس میں چھلانگ لگاؤ۔ اس نے جواب دیا۔ آپ پاگل تو نہیں ہو گئے۔ کہ طبیب ہوکر مجھے ایسا حکم دیتے ہیں۔ جس کا نتیجہ ہلاکت ہے۔ بو علی سینا نے کہا تمہیں یاد ہے تم نے مجھے ایک دن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے افضل بتایا تھا۔ مگر نادان تو اتنا نہیں جانتا کہ آپؐ کے تو ایک ادنیٰ اشارہ پر ہزاروں لوگ جانیں فدا کر دیتے تھے۔ مگر تو مجھے آپؐ سے برتر کہتے کے باوجود میرے کہنے پر میری بات نہیں مانتا۔ غرض رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے خدا کو مشاہدات کے ساتھ دنیا کے سامنے پیش کیا اور اس امر کا ایسے بین ثبوت دیئے۔ کہ کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ یہی وجہ ہے۔ کہ آپؐ کے ایک ادنیٰ اشارے پر ہزاروں لوگ جانیں فدا کر دیتے تھے۔ اور عزیز سے عزیز چیز مسرت کے ساتھ قربان کر دیتے تھے۔ اگر انہوں نے خدا کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھا ہوتا۔ تو کبھی اُن میں یہ بات نہ پیدا ہو سکتی۔ تاریخ سے ثابت ہے۔ کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم بدر کی جنگ کے لئے جب تشریف لے گئے۔ اُسوقت

انصار کے ساتھ آپؐ کا معاہدہ یہ تھا۔ کہ وہ مدینہ کے اندر آپؐ کی حفاظت کریں گے۔ یعنی اگر کوئی دشمن مدینہ میں داخل ہو کر آپؐ پر حملہ کرے گا۔ تو اس کا مقابلہ کریں گے۔ باہر جا کر نہیں لڑیں گے۔ بدر کی طرف جاتے ہوئے اللہ تعالٰی کے حکم کے ماتحت آپؐ نے یہ نہیں بتایا تھا کہ لڑائی ہو گی موقع کے قریب آ کر اس کی اطلاع دی۔ اور مشورہ کیا۔ کہ ہمیں لڑنا چاہیئے یا نہیں۔ مہاجرین نے کہا۔ ضرور لڑنا چاہیئے۔ مگر اس جواب کے بعد آپؐ نے پھر فرمایا۔ کہ لوگو بولو کیا کرنا چاہیئے۔ مہاجرین پھر جواب دیتے۔ مگر اس جواب کے بعد آپؐ نے پھر یہی فرمایا۔ اس پر ایک انصاری بولے اور کہا۔ کہ یا رسول اللہ آپؐ کا منشاء شائد ہم سے ہے۔ آپؐ سے بیشک ہمارا معاہدہ تھا۔ مگر اسی وقت تک کے لئے تھا۔ جبتک آپؐ کے ذریعہ ہم نے خدا کو نہ دیکھا تھا۔ اور صرف سُنی سنائی باتیں تھیں۔ اس کے بعد آپؐ کے ظہور سے ہم نے زندہ خدا کے زندہ نشانات دیکھے۔ اب وُہ حالت نہیں۔ اب تو اگر آپؐ سمندر میں کود پڑنے کا حکم دیں گے۔ تو ہمیں اس میں ذرا تامل نہ ہوگا۔ خدا کی قسم دشمن آپؐ تک نہ پہنچ سکے گا جبتک وہ ہماری لاشوں پر سے گذر کر نہ آئے۔ ہم آپؐ کے آگے بھی لڑیں گے اور پیچھے بھی۔ دائیں بھی لڑیں گے اور بائیں بھی۔ ہم موسٰیؑ کی قوم کی طرح یہ نہیں کہیں گے۔ کہ جا تُو اور تیرا رب جا کر لڑتے پھرو۔ بلکہ دشمن آپؐ تک ہماری لاشوں پر سے گذر کر ہی پہنچ سکے گا۔ ایک صحابی کہتے ہیں۔ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ کئی جنگوں میں شریک ہوا۔ مگر مجھے ہمیشہ حسرت رہی کہ کاش یہ سعادت مجھے نصیب ہوتی۔ یعنی یہ فقرہ میرے منہ سے نکلتا۔ یہ بات بغیر اس کے ممکن نہ تھی۔ کہ ان لوگوں نے زندہ خدا کو دیکھ لیا تھا۔ اسی لئے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ید اللہ فوق ایدیھم اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) انہوں نے بیعت کرتے وقت اپنے ہاتھوں پر تیرا ہاتھ نہیں دیکھا۔ بلکہ خدا کا ہاتھ دیکھا ہے۔ اور یہ ایسی بات ہے۔ جو نبی کے بغیر نصیب نہیں ہو سکتی

صفتِ قدوسیّت کا اظہار

دوسری چیز پاکیزگی ہے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل عرب کی حالت سب پر واضح ہے۔ اس لئے مجھے تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں۔ لیکن اسکے بعد ان لوگوں کے اندر جو پاکیزگی آئی۔ اس کی ایک مثال بیان کر دیتا ہوں۔ جب رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے بعض صحابہؓ حبشہ میں ہجرت کر گئے۔ تو مکہ والوں نے انہیں پکڑنے کے لئے ایک وفد بھیجا۔ جس نے امراء کو تحائف وغیرہ دیکر اپنے ساتھ ملا لیا۔ لیکن جب وہ نجاشی بادشاہ کے دربار میں پیش ہوئے اور کہا۔ کہ ہمارے کچھ لوگ بھاگ کر یہاں آئے ہیں۔ انہیں لے جانے کی اجازت دی جائے۔ تو اس نے کہا میں ان لوگوں سے باتیں کرنے کے بعد جواب دُوں گا۔ جب مسلمانوں کو طلب کیا گیا۔ تو ان کے امیر نے کہا۔ اے بادشاہ ہم دنیا میں بدترین مخلوق تھے۔ شرابی۔ زانی۔ چور۔ ڈاکو۔ فریبی اور عورتوں کی بے عزتی کرنیوالے تھے۔ مگر خدا نے ہم میں ایک نبیؐ مبعوث کیا۔ جس کے ذریعہ ہماری سب بدعادات چھوٹ گئیں۔ اور ہماری حالتیں بالکل بدل گئیں۔ نہ ماننے والوں کی دنیا علیحدہ ہو گئی۔ اور ہماری علیحدہ۔ یہ وہ دعویٰ تھا۔ جو انہوں نے مخالفوں اور جانی دشمنوں کے سامنے پیش کیا۔ مگر قریش کے وفد کو یہ جرأت نہ ہوئی۔ کہ یہ کہہ سکے کہ یہ جھوٹ بولتے ہیں۔ یہ تو اب بھی ویسے ہی ہیں۔ اور ان میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ اگر فی الواقع ان کے اندر پاکیزہ تغیر نہیں ہو چکا تھا۔ تو کیا وجہ ہے کہ

صحابہؓ وہاں دعویٰ کرتے ہیں۔ کہ ہم پاکباز ہو گئے ہیں۔ مگر مخالف یہ نہیں کہہ سکتے۔ کہ غلط کہتے ہیں۔ یہ اب بھی ویسے ہی گندے ہیں۔ یہ تزکیہ تھا۔

صفات عزیزیت وحکیمیت کا اظہار

جو بغیر رویئت الٰہی کے نہیں ہو سکتا۔ تیسری اور چوتھی چیز یعلمهم الکتاب والحکمة ہے۔ قرآن کریم کی تفصیلات بیان کرنے کے لئے یہ لیکچر تو کیا۔ اس جیسے دس ہزار لیکچر بھی کافی نہیں ہو سکتے۔ یہ وہ تعلیم ہے۔ جس نے دنیا سے منوالیا ہے۔ کہ اس کا دنیا کی سب ضرورتوں پر حاوی ہونا ایسی بات ہے۔ جسکا مقابلہ اور کوئی مذہب نہیں کر سکتا۔ حکمت سکھانا بھی اسلام کی خصوصیت ہے۔ نماز کیوں پڑھیں۔ روزہ کیوں رکھیں۔ حج کیوں کریں۔ زکوٰۃ کیوں دیں۔ غرضیکہ کوئی حکم ایسا نہیں جس کی حکمت نہ بیان کی گئی ہو۔ ہر بات کے متعلق بتا دیا گیا ہے۔ کہ اس میں تمہارا ہی فائدہ ہے۔ اور تمہاری ہی ترقی کے لئے ہے۔ یہ چار کام ہیں۔ جو رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے آکر دنیا میں کئے۔ اور گویا یہ اسلام کا خلاصہ ہے۔ یعنی اول خدا کی ذات مشاہدہ سے منوانا۔ دوسرے بنی نوع انسان کو پاک کرنا۔ تیسرے ایسی تعلیم دینا جو سب ضرورتوں پر حاوی ہو۔ اور چوتھے انسان میں ایمانی بشاشت پیدا کرنا۔ اور اسے بتانا کہ اس پر عمل کرنا تمہارے ہی فائدہ کا موجب ہے۔ اور ایسی حکمتیں بیان کرنا کہ اس مذہب کو ماننے والا دوسروں کے سامنے اپنا سر اونچا کر سکے؎

سلسلہ احمدیہ کا دعویٰ

سلسلہ احمدیہ کا دعویٰ یہ ہے۔ کہ وہ اسلام کی صحیح صورت دنیا میں پیش

کرنے کے لئے قائم کیا گیا ہے۔ اب اگر یہ چاروں باتیں وہ اپنے اندر ثابت کر دے تو ماننا پڑیگا۔ کہ اس نے جو کچھ کہا اور جو دعویٰ کیا۔ اس میں سچا ہے۔ جیسے میں نے تصویر کی مثال دی تھی۔ کہ مصوّر کا کمال اسی میں ہے۔ کہ اصل سے سرِ مو فرق نہ ہو۔ اگر ایک عیسائی یا ہندو اسلام کی خوبی کا قائل نہیں تو وہ کہہ سکتا ہے۔ کہ اسلام کی تصویر جو کھینچی گئی ہے وہ خوبصورت نہیں مگر یہ تو اُسے ماننا پڑیگا۔ کہ قرآن میں جو کچھ ہے اس کی یہ صحیح تصویر ہے۔ پس اگر یہ چار کام سلسلہ احمدیہ نے شروع کر رکھے ہیں۔ تو اسلام کے ماننے والوں کو تسلیم کرنا پڑیگا۔ کہ وہ اپنے دعویٰ میں سچّا ہے۔ اور ہر مسلمان کی توجہ کا مستحق ہے۔ اور غیر مسلموں کو بھی ماننا پڑے گا۔ کہ احمدیت نے جو دعویٰ کیا۔ اُسے سچّا ثابت کر دکھایا؂

تمہیدی مسائل

اس تمہید کے بعد میں یہ بتانا چاہتا ہوں۔ کہ عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے۔ احمدیوں اور غیر احمدیوں میں حضرت عیسےٰ علیہ السّلام کی وفات یا مرزا صاحبؑ کو مسیح موعودؑ ماننے یا نہ ماننے کا ہی فرق ہے۔ حالانکہ یہ تمہیدی باتیں ہیں۔ اگر ہم یہ سوال اٹھاتے ہیں۔ کہ حضرت مسیح ناصری وفات پا گئے۔ تو محض اس لئے کہ قرآن مجید اور رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے کلام سے ثابت کریں۔ کہ آپؐ کی اُمّت میں سے ہی ایک شخص آئیگا۔ جو مثیلِ مسیح ہوگا۔ یہ گویا سڑک بنانے کے لئے ہے۔ وگرنہ اصل چیز تو آنیوالے کا کام اور مقصد ہونا چاہیئے۔ وفات مسیح علیہ السّلام اور صداقت مسیح موعود علیہ السّلام کے مسائل تو محض تمہیدی باتیں ہیں۔ اور آپؑ کے دعویٰ کو ثابت کرنے کے لئے یہ ضروری قدم ہیں۔ جو اُٹھائے گئے۔

حضرت مسیح موعودؑ کے کام

وگرنہ کام آپؐ کے بھی وہی چار ہیں۔ جن کا میں نے پہلے ذکر کیا ہے۔ چنانچہ دُوسری آیت میں بیان کیا گیا ہے۔ واٰخرین منھم لما یلحقوا بھم وھو العزیز الحکیم۔ یعنے رسُول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے یہ جو چار کام بیان کئے گئے ہیں۔ وُہ اسی زمانہ کے لئے نہیں۔ بلکہ جس طرح اس زمانہ کی قوموں کی اصلاح کیلئے آپ مبعوث ہوئے ہیں۔ اسی طرح آئندہ زمانہ میں آئندہ آنیوالی قوموں میں بھی آپ یہ کام کرینگے۔ اور جب ان کے لئے ضرورت ہوگی۔ کہ انکو بھی قرآن سکھایا جائے۔ ان کا تزکیہ کیا جائے۔ ان پر تلاوت آیات کی جائے اور ان کو حکمت سکھائی جائے۔ تو اسوقت ان کاموں کے کرنے کیلئے پھر ہم آپ کو مبعوث کریں گے۔ چنانچہ عبد اللہ بن سبا ایک مسلمان تھے جن کا دعوٰی تھا۔ کہ رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم آسمان پر گئے ہیں۔ اور پھر آئیں گے۔ کیونکہ قرآن مجید میں آپ کے دوبارہ آنے کا ذکر ہے۔ تو مسلمانوں پر اس آیت کی وجہ سے اس قدر اثر تھا کہ بعض ان میں سے غلطی سے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت ثانی کے حقیقی رنگ میں

حضرت مسیح موعودؑ نے زندہ خدا پیش کیا

قائل تھے۔ مگر چونکہ وُہ صحابہ کا زمانہ تھا۔ اسلئے ایسی بات زیادہ چلی نہیں۔ پس یہی چار کام حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کرنے ہیں۔ یہی سلسلہ احمدیہ کے اصول ہیں۔ اول یتلوا علیھم اٰیاتہٖ۔ اللہ تعالیٰ کی آیات اور اس کے نشانات جن سے خدا نظر آتا ہے دنیا کے سامنے پیش کرنا۔ اور بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے اپنی پہلی تصنیف

براہین احمدیہ میں اس سوال کو اٹھایا ہے۔ کہ خدا ہونا چاہیئے۔ اور ہے میں بڑا فرق ہے۔ عقلی دلائل صرف یہ ثابت کر سکتے ہیں۔ کہ کوئی خدا ہونا چاہیئے۔ یہ نہیں کہ واقعہ میں ہے بھی۔ جیسے عقل سے صرف بادشاہ کی ضرورت ثابت کی جا سکتی ہے۔ اس کا موجود ہونا نہیں بتایا جا سکتا۔ اور عقلی دلائل سے انسان کا دل مطمئن نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہ خیال کر سکتا ہے۔ ممکن ہے بعض اور دلائل بھی میرے خلاف ہوں۔ جن کا مجھے علم نہ ہو۔ اس لئے ضروری ہے۔ کہ زندہ خدا کو پیش کیا جائے۔ یہ سوال آپ نے اس زمانہ میں اٹھایا۔ جب باوجود اس کے کہ اس امت میں کئی اولیاء ایسے گذرے ہیں۔ جو کلام الٰہی کے جاری ہونے کے قائل بلکہ اس سے مشرف تھے۔ مسلمان یہ سمجھے بیٹھے تھے۔ کہ اب کلام الٰہی کا دروازہ بند ہو چکا ہے۔ حالانکہ تاریخ سے پتہ چلتا ہے۔ کہ صحابہ میں بھی ایسے لوگ تھے۔ جو کلام الٰہی سے مشرف تھے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰے عنہ کا ہی ایک مشہور واقعہ ہے۔ آپ کے ایک کمانڈر ساریہ تھے۔ آپ کو دکھایا گیا۔ کہ وہ خطرہ کی حالت میں ہیں۔ چنانچہ آپ نے خطبہ پڑھتے ہوئے زور سے فرمایا۔ یا ساریۃ الجبل یا ساریۃ الجبل یعنے اے ساریہ پہاڑ کے ساتھ ہو جاؤ۔ اور یہ آواز ساریہ کو شام میں سنائی دی جبکہ وہ فی الواقعہ خطرہ میں تھے۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ اور اپنی فوج کو ہلاکت سے بچالیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ساریہ کی حالت کشف کے ذریعہ دکھائی گئی۔ اسی طرح ہزارہا واقعات ہیں مگر ان سب کے باوجود مسلمان مایوس ہو چکے تھے۔ کہ ہم میں اب خدا کا کلام سننے کی اہلیت نہیں۔ سب ترقیات پرانے لوگوں سے

ہی وابستہ تھیں۔ مگر جماعت احمدیہ کے بانیؑ نے آ کر یہ بات پیش کی کہ یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے۔ اگر انسان اب بھی اللہ تعالےٰ کی طرف رجوع کرے۔ اور اس کی محبت اور اخلاص کو دل میں ترقی دے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت میں اپنے آپ کو گداز کر دے۔ قرآن پر عمل کرے۔ تو ظلی بروزی طور پر اب بھی ان برکات سے حصہ پا سکتا ہے۔ پھر آپ نے اپنے وہ الہامات پیش کیئے۔ جو وقتاً فوقتاً پورے ہوئے اور ہو رہے ہیں۔ ایسی صورت میں کہ دنیا کو قبول کرنے میں گریز کی صورت نہ رہی۔ سوائے اس کے کہ کسی کو تحقیق کا موقعہ نہ ملا ہو۔ یا سوچا نہ ہو۔ یا دل پر زنگ لگ چکا ہو۔ اور کسی نے فیصلہ کر لیا ہو۔ کہ خواہ یہ سچے ہوں۔ میں بہر حال نہیں مانوں گا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایک عظیم الشان پیشگوئی۔

گذشتہ ایام میں آپؑ کا ایک الہام پورا ہوا ہے۔ جو آپؑ نے اپنی زندگی میں شائع فرمایا تھا۔ آپؑ کے دو الہام تھے۔ جن میں بتایا گیا تھا۔ کہ ایک ایسے ملک میں جہاں کی حکومت احمدیوں پر ظلم کرتی ہو گی۔ وہاں اس حکومت کے مقابل پر ایک ایسی پارٹی کھڑی ہو جائے گی۔ جس کی تعداد بہت تھوڑی ہو گی۔ مگر وہ حکومت کی طاقتور اور کثیر التعداد فوج پر غالب آ جائے گی۔ مگر وہ خود بطور ہتھیار ہو گی۔ اپنی ذات میں کوئی خوبی نہ رکھتی ہو گی۔ اس لئے اسے مغلوب کر کے اللہ تعالےٰ ملک کے لئے ایک مفید شخص نادر شاہ نامی کو بادشاہ بنائے گا۔ لیکن ابھی وہ ملک میں پورے طور پر امن و امان قائم نہ کرنے پائے گا۔ اور ملکی ترقیات کے لئے

اس شخص کی اشد ضرورت محسوس ہو رہی ہو گی۔ کہ وہ دنیا سے رخصت ہو جائے گا۔ اور لوگ افسوس کے ساتھ کہیں گے۔ کہ

"آہ نادر شاہ کہاں گیا"

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ۱۹۰۵ء میں یہ پیشگوئی شائع کی اور ۱۹۲۸ء میں ان واقعات کا ظہور شروع ہوا۔ جو اس پیشگوئی سے متعلق تھے۔ دنیا میں صرف افغانستان کی حکومت ہی ایسی ہے۔ جو احمدیوں پر بطور حکومت تشدد اور سختی کرتی ہے۔ دیگر اسلامی ممالک۔ مصر۔ ترکی۔ عرب میں حاکمانہ رنگ میں احمدیوں پر سختی نہیں کی جاتی۔ نہ ہی کسی اور ملک میں ایسا ہوتا ہے۔ افراد کی طرف سے بعض اوقات زیادتیاں ہوتی رہی ہیں۔ مگر وہ ہر جگہ ہی ہوتی رہتی ہیں۔ یہاں بھی ہوتی ہیں۔ مگر بحیثیت ملک و حکومت احمدیوں پر ظلم کرنے والا واحد ملک صرف افغانستان ہی ہے۔ وہاں اس وقت تک علی الاعلان اور حکومت کے فیصلہ کے ماتحت پانچ احمدی شہید کئے جا چکے ہیں۔ جن میں سے ایک کو قتل اور چار کو سنگسار کیا گیا۔ اس لئے وہی ایک ملک ہے۔ جس کے لئے یہ پیشگوئی ہو سکتی ہے۔ چنانچہ بچہ سقہ نے تین سو کے قریب آدمیوں کے ساتھ کابل پر حملہ کیا۔ اور باوجودیکہ امان اللہ خان کے پاس فوج۔ ہتھیار اور سب قسم کے سامان جنگ تھے۔ اسے کابل چھوڑ کر بھاگ جانا پڑا۔ مگر بچہ سقہ معہ اپنے ساتھیوں کے اپنی ذات میں کوئی خوبی نہ رکھتا تھا۔ وہ محض ایک ہتھیار تھا۔ اس وقت نادر خاں فرانس میں بیمار

پڑا تھا۔ اور اس میں بھی اللہ تعالٰے کی حکمت تھی۔ اگر وہ اسوقت تندرست ہوتا۔ اور آکر امان اللہ خان کے لئے لڑائی کرتا تو جیسا کہ اس کا ارادہ تھا۔ امان اللہ خان ہی بادشاہ رہتا۔ مگر وہ ایسے وقت میں افغانستان پہنچا۔ کہ ملک فتح ہونے سے قبل ہی امان اللہ خان وہاں سے بھاگ چکا تھا۔ اس نے ملک کو فتح کیا۔ اور باوجودیکہ اس نے اعلان کر دیا تھا۔ کہ میں بادشاہ بننا نہیں چاہتا۔ لوگوں کے اصرار سے مجبور ہو کر تخت پر بیٹھا اور اپنے لئے نادر شاہ کا نام تجویز کیا۔ پھر ملک کے لئے بہت مفید ثابت ہوا۔ ابھی وہ اپنے کام میں مشغول تھا۔ کہ ہندوستان سے ایک وفد جو ڈاکٹر سر محمد اقبال۔ سر راس مسعود اور سید سلیمان ندوی پر مشتمل تھا وہاں گیا اور واپس آکر ڈاکٹر سر محمد اقبال نے اخبارات میں یہ بیان شائع کیا۔ کہ اگر غازی نادر شاہ کو دس سال بھی کام کرنے کے لئے مل گئے۔ تو وہ ملک کو کچھ کا کچھ بنا دیں گے۔ لیکن اس کے پانچ یا چھ دن کے بعد ہی کسی ظالم اور غلطی خوردہ نوجوان نے گولی مار کران کو قتل کر دیا۔ اور سارا ملک بے اختیار چلا اٹھا کہ "آہ نادر شاہ کہاں گیا" یہ ایک ایسی بات ہے۔ کہ جس سے انکار کی کوئی گنجائش نہیں۔ ڈیرہ غازی خاں کے ایک جج ہیں۔ جو احمدی نہیں۔ انہوں نے اپنے علماء کو لکھا ہے۔ کہ اس پیشگوئی سے انکار کی صرف ایک ہی صورت ہے۔ کہ تم ثابت کر دو۔ کہ مرزا صاحب کی کتابوں میں یہ پیشگوئی درج نہیں۔ اور احمدی غلط کہتے ہیں۔ وگرنہ یہ ایسی صفائی کے ساتھ پوری ہو چکی ہے۔ کہ کوئی تاویل مجھے مطمئن نہیں کر سکتی۔ اور میں اس کی کوئی تاویل سننے کے لئے تیار نہیں۔ ایک اور صاحب جو اس علاقہ کے بڑے رئیس ہیں۔ وہ جلسہ سالانہ پر قادیان آئے

اور جب مجھ سے ملے۔ تو کہنے لگے۔ مجھے یقین نہیں آتا۔ کہ یہ پیشگوئی آپ کی کتابوں میں موجود ہو۔ میرے پاس اس وقت اتفاق سے وہ کتاب پڑی تھی جس میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہامات جمع کئے گئے ہیں۔ میں نے نکال کر دکھا دیا۔ کہنے لگے۔ بیشک ٹھیک ہے۔ ایسی ہی بیسیوں اور سینکڑوں چیزیں ہیں۔ جنکے ذریعہ حضرت مرزا صاحب نے اللہ تعالےٰ کے تازہ نشانات پیش کئے اور ایسے رنگ میں کہ مخالفوں کو بھی انہیں تسلیم کرنا پڑا۔ اس طرح دنیا کے سامنے آپ نے زندہ خدا کا وجود پیش کیا۔ اور خدا کے وجود کے ذہنی نقشہ کو بدل ڈالا۔ اب یہ سوال نہیں ہو سکتا۔ کہ خدا ہونا چاہیئے۔ یا نہیں۔ بلکہ لاکھوں لوگوں نے دیکھ لیا ہے۔ کہ خدا ہے۔ اور یہی درجہ ہے ایمان کا۔ جو انسان کے لئے خیر و برکت اور فلاح کا موجب ہو سکتا ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا مشاہدہ

میں ایک دفعہ ہندوستان سے باہر گیا۔ وہاں بعض لوگوں نے مجھ سے سوال کیا۔ کہ قرآن کریم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر الہام نہیں ہوا تھا۔ ہم یہ تو نہیں کہتے۔ کہ آپؐ جھوٹے تھے۔ مگر قرآن آپؐ کے دل کے خیالات تھے۔ اور یہ بھی آپؐ کا خیال تھا۔ کہ کوئی خدا ہے۔ جو یہ آیات آپؐ پر نازل کرتا ہے۔ ورنہ خدا کا مونہہ نہیں زبان نہیں۔ پھر کس طرح ہم یہ سمجھ لیں۔ کہ یہ اسکی باتیں ہیں۔ میں نے ان سے کہا۔ کہ آپ لوگوں کی یہ دلیل اس شخص پر تو اثر کر سکتی ہے۔ جس نے خود کچھ نہ دیکھا ہو۔ اور عقلی طور پر خدا کا قائل ہو۔ میں رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے خادموں کا خادم ہوں۔

اور اس شخص کے متبعین میں سے ہوں۔ جس کا دعویٰ ہے۔ کہ ؎

بعد از خدا بعشق محمدؐ مخمرم ٭ گر کفر ایں بود بخدا سخت کافرم

اور جو یہ کہتا ہے۔ کہ میں آپؐ کا ایک ادنیٰ چاکر ہوں۔ جب میں نے خود خدا کی آواز اور اس کی باتیں اپنے کانوں سے سُنی ہیں۔ تو کیا تم دلیل سے مجھے منوا سکتے ہو۔ کہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قرآن خدا کی طرف سے نازل نہیں ہوا تھا۔ بلکہ آپؐ کے دل کے خیالات تھے۔ جو شخص عقلی طور پر خدا کو مانتا ہے۔ وہ بے شک ان دلائل سے متاثر ہوگا۔ کہ جب خدا کا مونہہ نہیں۔ تو وہ بات کیسے کرتا ہے۔ مگر جس کے کانوں میں خدا کی آوازیں آتی ہوں۔ وہ تو ایسی باتیں کرنیوالوں سے یہی کہے گا۔ کہ اے جاہل تیری سائنس اور تیرے علم نے تجھے تباہ کر دیا۔ حقائق کے سامنے ان کی کیا حقیقت ہے۔ غرض حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یتلوا علیھم ایاتہ کا ایسا زندہ ثبوت پیش کیا ہے۔ کہ اگر کوئی غور کرے۔ تو اُسے تسلیم کرنا پڑے گا۔ کہ قرآن خدا کا کلام ہے۔ اور ایک زندہ خدا موجود ہے۔ جس کے مقابل پر بادشاہ اور حکومتیں کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔ یہی ایمان لے کر ہم دنیا میں جاتے ہیں۔ اور علی الاعلان کہتے ہیں۔ کہ کوئی چیز دنیا کی ہمارے مقابل میں کوئی ہستی نہیں رکھتی۔ ایک انگریز نے مجھ سے سوال کیا۔ کہ کیا سائنس کی اس قدر ترقیوں کے باوجود آپ کا خیال ہے۔ کہ اسلام غالب آجائے گا۔ یہ خیال یہاں تک ترقی کر گیا ہے۔ کہ خود مسلمان کالجئیٹ بھی اسی قسم کے سوال کرتے رہتے ہیں۔ میں نے

صداقتِ اسلام کا ثبوت

اسے جواب دیا۔ کہ مجھے اس کا ایسا ہی یقین ہے جیسا کہ اپنی ہستی

کا۔ شملہ کے آریہ سماج کے سیکرٹری صاحب ایک دفعہ مجھ سے ملنے کے لئے آئے۔ اور سوال کیا۔ کہ اسلام کی صداقت کا ثبوت کیا ہے۔ میں نے کہا۔ لمبی باتوں کا فائدہ نہیں۔ وقت بھی اسوقت تنگ تھا۔ ایک چھوٹی سی بات ہے۔ اسلام نے مجھے اپنی صداقت کے متعلق یقین دیا ہے۔ کہنے لگے کیا آپ سمجھتے ہیں۔ مجھے اپنے مذہب پر یقین نہیں۔ میں نے کہا۔ جیسا یقین آپ کو ہے۔ ایسا تو ہر عیسائی موسائی۔ غرضکہ تمام مذاہب کے ماننے والوں کو ہے۔ ایک عیسائی پادری کسی علاقہ میں مارا جاتا ہے۔ تو ہزار ہا عیسائی لوگ اس کی جگہ لینے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ بعض تبلیغ کرنے والی عیسائی عورتوں کو مردم خور لوگوں نے کھالیا تو ان کی جگہ لینے کے لئے ہزار ہا اور نے اپنے نام پیش کر دئے۔ یہ عملی ثبوت ہے اس بات کا کہ ان کو عیسائیت کے سچا ہونے کا یقین ہے۔ کہنے لگے۔ پھر آپ یقین کسے کہتے ہیں۔ میں نے کہا۔ میں اپنے بیوی بچوں کو ساتھ لے کر یہ قسم کھاتا ہوں کہ اے خدا اگر اسلام تیرا مذہب نہیں۔ اور قرآن تیری طرف سے نہیں تو ہم سب کو ہمیشہ کے لئے ہدایت سے محروم کر دے۔ اور ہم پر اپنا غضب نازل کر۔ آپ بھی اپنے مذہب کے متعلق ایسی قسم کھائیں۔ کہنے لگے۔ بیوی بچوں کو کیوں شامل کیا جائے۔ میں نے کہا۔ جس گولی نے لگنا نہیں اس سے ڈر کیسا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ کو شک ہے۔ اور حقیقت بھی یہی ہے۔ ایمان کے کئی مدارج ہوتے ہیں۔ اور مشاہدہ ایسے مقام پر پہنچا دیتا ہے۔ کہ کسی قسم کا شک باقی نہیں رہتا۔ جو انسان سورج کو دیکھ رہا ہو۔ اُسے خواہ پانچسو ایسی گھڑیاں اکٹھی کر کے جو ۲۴ گھنٹے کا وقت بتاتی ہیں۔ یہ ثابت کرنے کی کوشش

کی جائے۔ کہ اس وقت رات ہے۔ تو وہ کسی طرح نہیں مان سکتا۔ کہتے ہیں کسی کی دوکان میں چور گھس گیا۔ اس نے باہر سے کنڈی لگادی۔ چور نے میاؤں میاؤں کرنا شروع کیا۔ کہ بلی سمجھ کر دروازہ کھول دے۔ اور میں نکل جاؤں۔ وہ کہنے لگا۔ میں صبح پنچوں کو بلاؤں گا۔ اگر وہ کہیں گے۔ کہ بلی ہے تو چھوڑ دوں گا۔ اس وقت نہیں چھوڑ سکتا۔ تو جس چیز کو انسان خود دیکھ لے۔ اس کے متعلق کس طرح شک کرسکتا ہے۔ اسی طرح جس نے خدا کا مشاہدہ کیا ہو۔ اگر دنیا کے سارے بادشاہ اور حکومتیں ملکر بھی اس کے دل سے خدا کے متعلق ایمان نکالنا چاہیں۔ اور اس کے لئے سب تدابیر اختیار کریں۔ تو کیا وہ ان کی بات مان لے گا۔ ہرگز نہیں؛ وہ یہی کہے گا۔ کہ یہ سب پاگل ہیں۔ اپنے ایمان میں اُسے کوئی شبہ نہ ہو گا۔ اور اس چیز کو حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے آکر پیش کیا ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ اور تزکیہ نفوس

دوسری چیز پاک کرنا ہے۔ یہ کام بھی محض تعلیم سے نہیں ہوسکتا۔ اللہ تعالےٰ کی مدد سے ہی ہوسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ یہ کام بھی فلاسفر نہیں کرسکتے۔ جیسے کہ بوعلی سینا کی مثال میں نے دی ہے۔ اُن کی تعلیم وہ اثر نہ کرسکتی تھی۔ جو رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چھوٹے۔۔۔۔۔ چھوٹے جملے کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کا واقعہ بھی اس کی دلیل ہے۔ آپؓ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں گئے۔ تو آپ نے انہیں فرمایا۔ کہ کیا اب تک تمھاری اصلاح کا وقت نہیں آیا۔ یہ سُنکر حضرت عمرؓ کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ اور عرض کیا۔ یا رسول اللہؐ میں مسلمان ہونے کے لئے ہی حاضر ہوا ہوں۔ یہ

تغیرات اللہ تعالےٰ کے فضل اور اس کے احسان سے ہی ہو سکتے ہیں۔ حضرت مرزا صاحبؑ نے آکر بتایا۔ کہ تزکیہ کا معجزہ اب بھی روشن ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے جلال کے ظہور کے لئے خدا نے مجھے بھی یہ معجزہ دیا ہے۔ اور کہا ہے۔ کہ جو لوگ پاکیزگی چاہتے ہوں۔ ان کو پاک کرو۔ اس پاکیزگی کی تفصیلات بیان کرنا مشکل ہے۔ ایک بات بیان کرتا ہوں۔ اسلام کی خدمت کے لئے آپ نے ایک جماعت پیدا کی۔ اور آپ کے اثر سے یہ نتیجہ نکلا۔ کہ اگرچہ یہ جماعت چھوٹی سی ہے۔ اور آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں کہلا سکتی۔ کسی شہر میں پچاس احمدی ہیں۔ کسی میں سو۔ اور دو ہزار سے زائد تو کسی شہر میں نہیں۔ سوائے قادیان کے۔ اور سب کی تعداد چند لاکھ سے زیادہ نہ ہو گی۔ مگر دوسرے مسلمان ۴۰ کروڑ ہیں۔ جن میں کمزور بھی ہیں۔ اور مضبوط بھی۔ امیر بھی ہیں۔ اور غریب بھی۔ لیکن اس زمانہ میں جبکہ اسلام پر شدید حملے ہو رہے ہیں۔ ایسے شدید حملے کہ پہلے کبھی نہیں ہوئے۔ مٹھی بھر انسانوں کی اس جماعت کو جو جماعت احمدیہ ہے۔ اللہ تعالےٰ نے خدمت دین کی جو توفیق بخشی وہ دوسروں کو نصیب نہیں۔

جماعت احمدیہ کی اسلامی خدمات

ہم خدا کے فضل سے لاکھوں روپیہ سالانہ تبلیغ اسلام کے لئے خرچ کر رہے ہیں۔ سینکڑوں آدمیوں نے اس کے لئے اپنی زندگیاں وقف کر رکھی ہیں۔ ان کی بھی خواہشات ہیں۔ آرزوئیں اور امنگیں ہیں۔ ان کے رشتہ دار۔ دوست احباب۔ بیوی بچے موجود ہیں۔ مگر اسلام کے نام پر جب ان کو بلایا جائے

تو وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر فوراً حاضر ہو جاتے ہیں۔ بیوی۔ بچوں۔ رشتہ داروں اور وطن کو چھوڑ کر غیر ممالک میں تبلیغ اسلام کے لئے چلے جاتے ہیں۔ اور سات سات آٹھ آٹھ سال تک وہاں کام کرتے رہتے ہیں۔ غیر ممالک میں غیر اقوام میں اور پھر ان لوگوں میں اسلام کی اشاعت کرتے ہیں۔ جو ہندوستانیوں کو ذلیل سمجھتے ہیں۔ پھر اس صورت میں کہ ان کے پاس سامان بہت کم ہوتے ہیں۔ اخراجات کی سخت تنگی ہوتی ہے۔ چودھری ظفر اللہ خان صاحب ابھی امریکہ سے آئے ہیں۔ انہوں نے امریکہ کے مبلغ کی حالت بتائی۔ کہ وہ مالی تنگی کی وجہ سے کوئی مکان کرایہ پر نہیں لے سکتے۔ کبھی کسی کے ہاں چلے جاتے ہیں۔ اور کبھی کسی کے ہاں۔ مگر باوجود اس کے ان کی عظمت اور رعب خدا کے فضل سے اتنا ہے۔ کہ جو لوگ علوم مشرقیہ کے ماہر سمجھے جاتے ہیں۔ اور مسلمہ مستشرقین ہیں۔ وہ ان کے سامنے دم نہیں مارتے۔ وہاں ایک نومسلم مسٹر بار کر ہیں۔ جو سالیسٹر ہیں۔ سالیسٹر بھی ایک نوع کی وکالت ہے۔ ان کا کام بیرسٹروں کیلئے مقدمات تیار کرنا ہوتا ہے۔ انہوں نے ایک کمپنی سے تاریخ کی کوئی کتاب خریدی، جس کی قیمت اقساط میں ادا کرنا تھی۔ اس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کوئی غلط بات لکھ کر ہتک کی گئی تھی۔ ایسی باتوں کا آج کل یورپ میں بہت رواج ہو گیا ہے۔ مسٹر بار کر نے اس کمپنی کو لکھا۔ کہ تم لوگوں نے دھوکا کیا ہے۔ کتاب کو تاریخی بیان کیا ہے۔ اور باتیں اس میں غلط درج کی ہیں۔ اس لئے میں اس کی قیمت نہیں دوں گا۔ اگر تم قیمت لینا چاہتے ہو۔ تو عدالت میں نالش کرو۔ چنانچہ مقدمہ چلا۔ اسمیں

شکاگو یونیورسٹی کے ایک پروفیسر کی شہادت ہوئی۔
اس نے دوران شہادت میں کہا۔ کہ قرآن محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم)
کے زمانہ میں نہیں لکھا گیا۔ اس پر ہمارے مبلغ صوفی مطیع الرحمن صاحب نے
جوش کے ساتھ کہا۔ کون کہتا ہے۔ کہ قرآن رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم
کے زمانہ میں نہیں لکھا گیا۔ یہ بات بالکل غلط ہے۔ اسپر پروفیسر مذکور
کہنے لگا۔ اچھا اگر آپ کہتے ہیں۔ کہ میں نے غلط کہا۔ تو میں اپنی غلطی کو تسلیم
کرتا ہوں۔ اور جج نے بھی اپنے فیصلہ میں لکھا۔ کہ افسوس ہے۔ کمپنی
نے کتاب میں جھوٹی باتیں لکھدی ہیں۔ غرض حضرت مرزا صاحبؑ
نے ایسے لوگ پیدا کر دیئے ہیں۔ جو نہایت تکلیف دہ حالت میں
سے گذرتے ہوئے تبلیغ اسلام کرتے ہیں۔ افریقہ میں اس وقت
۲۰ ہزار کے قریب نو مسلم ہیں۔ اور اس علاقہ کی آب و ہوا
اس قدر خراب ہے۔ کہ حکومت اپنے کسی افسر کو دو تین سال سے
زیادہ عرصہ کے لئے وہاں نہیں رکھتی۔ مگر ہمارے مبلغ وہاں سات
سات آٹھ آٹھ سال متواتر کام کرتے ہیں۔ اور نہایت تنگی ترشی کی
حالت میں کرتے ہیں۔ پھر انہیں تنخواہیں نہیں ملتیں۔ صرف قلیل
گذارے ملتے ہیں۔ اور یہ ایسے نمونے ہیں۔ کہ ہر انسان سمجھ سکتا ہے۔
یہ وہ عظیم الشان قربانی ہے۔ جو اسلام کے نام پر کی جا رہی ہے
یہ ہم ہی نہیں کہتے۔ بلکہ مخالفوں کی بیسیوں تحریرات ہیں۔ جن میں
اعتراف کیا گیا ہے۔ کہ جماعت احمدیہ کی قربانیاں صحابہؓ کی طرح
ہیں۔ یہ ثبوت ہے۔ اس بات کا کہ حضرت مرزا صاحبؑ نے اسلام
کی محبت لوگوں کے دلوں میں ایسی قائم کر دی ہے۔ کہ وہ اس کے لئے

جان و مال سب کچھ قربان کر دینے پر آمادہ ہیں۔ اور قربان کر رہے ہیں۔ یہ تزکیہ ہے۔ جو آپؑ نے کیا۔

حضرت مسیح موعودؑ اور تعلیم کتاب

تیسرا کام یعلمھم الکتاب ہے۔ یعنی قرآن سکھانا۔ آپؑ سے قبل دنیا میں یہ حالت تھی۔ کہ مسلمانوں میں یہ خیال عام تھا۔ کہ قرآن کریم کی بعض آیات منسوخ ہیں۔ اور ان کی تعداد مختلف لوگوں کے نزدیک پانچ سے پانچسو تک تھی۔ اور یہ قرآن پر ایک زبردست اعتراض تھا۔ عیسائی اور دوسرے غیر مسلم کہتے تھے۔ کہ جب اس قدر آیات منسوخ ہیں۔ تو کس طرح امتیاز کیا جا سکتا ہے کہ باقی فی الواقعہ قابل عمل ہیں۔ کونسی آیات منسوخ ہیں۔ اور کونسی ناسخ۔ اگر تو ایک تعداد پر سب متفق ہوتے تو اور بات تھی۔ لیکن جب منسوخ آیات کے متعلق اس قدر اشتباہ ہے۔ تو باقی حصہ کیونکر قابلِ اعتماد سمجھا جا سکتا ہے۔ اور یہ ایک ایسا خطرناک حملہ تھا۔ کہ صرف اس سے ہی قرآن کریم کی عظمت اُٹھ جاتی تھی۔ اور شبہ پیدا ہو جاتا تھا۔ کہ جس آیت پر ہم عمل کرتے ہیں۔ شائد وُہ منسوُخ ہی ہو۔ اس عقیدہ کے لوگ دلیل قرآن کریم کی آیت ما ننسخ من اٰیۃ او ننسھا نات بخیر منھا سے دیتے تھے۔ اور اس کے معنے یہ کرتے تھے۔ کہ ہم قرآن کریم کی کوئی آیت منسُوخ نہیں کرتے۔ مگر اس سے بہتر لے آتے ہیں۔ حالانکہ یہاں قرآن کی آیات کا ذکر نہیں۔ بلکہ پہلی کتابوں کی پیشگوئیاں مُراد ہیں۔ قرآن کریم پہلی کتابوں کی ان تعالیم کو جو اس وقت سچی اور

قابلِ عمل تھیں۔ دوبارہ لے آیا۔ اور بعض جو قابلِ عمل نہ رہی تھیں۔ انہیں بدل کر ان کی جگہ بہتر لایا۔ جو پہلی سے اعلےٰ اور زمانہ کی ضرورت کے مطابق تھیں۔ اس طرح اس آیت میں پرانی کتب کے نسخ کا ذکر تھا۔ وگرنہ قرآن بسم اللہ کی ب سے لے کر والناس کی س تک ایسا ہی محفوظ اور قابلِ عمل ہے۔ جیسے پہلے تھا۔ حضرت مرزا صاحبؑ نے دنیا کے سامنے یہ دعوےٰ پیش کیا۔ اور یہ ایسا دعویٰ تھا۔ جس سے بھاگی ہوئی فوج واپس آ گئی اور پھر کھڑی ہو گئی۔ لوگوں کو قرآن پر غور کرنے کا موقعہ ملا۔ اور بعض عظیم الشان صداقتیں جنہیں منسوخ سمجھا جاتا تھا۔ ظاہر ہوئیں

لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ اور جہاد۔

مثلاً لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ کی آیت کو منسوخ سمجھا جاتا تھا۔ حالانکہ جہاد اور یہ حکم دونوں جاری ہیں۔ اور ایک دوسرے کی تائید کرتے ہیں۔ کیونکہ جب قرآن یہ کہتا ہے۔ کہ دین کے معاملہ میں جبر نہیں۔ تو گویا یہ بھی تسلیم کرتا ہے۔ کہ اگر کوئی جبر کرے۔ تو اس کا مقابلہ بھی کرنا چاہیئے۔ اس طرح یہ احکام ایک دوسرے کو مضبوط کرتے ہیں۔ تو جب اسلام نے یہ کہا۔ کہ لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ تو ساتھ ہی جہاد کا بھی حکم دیا۔ تاکہ اکراہ کرنے والوں کا مقابلہ کیا جا سکے۔ اور جب یہ حکم ہوا۔ کہ دین کے رستہ میں روکاوٹوں کا مقابلہ کرو۔ تو یہ بھی حکم ہوا۔ کہ دین کے رستہ میں روکاوٹیں پیدا نہ کرو۔ اس لئے دونو حکم ایک دوسرے کے مؤیّد ہیں۔ لیکن چونکہ یہ اصول بنا لیا گیا تھا۔ کہ جو بات سمجھ میں نہ آئے۔ اُسے منسوخ قرار

دے دیا جائے۔ اِس لئے یہ آیت بھی منسوخ سمجھی جاتی تھی۔ اِسی طرح اور بھی بہت سی آیات منسوخ خیال کی جاتی تھیں۔ بعض پانسو بعض چارسو اور بعض کم و بیش آیات کو منسوخ سمجھتے تھے۔ اور جو زیادہ عقلمند تھے۔ وہ صرف پانچ ہی منسوخ قرار دیتے تھے۔ مگر حضرت مرزا صاحبؑ نے آکر بتایا۔ کہ جب پانسو میں سے سوائے پانچ کے باقی سب حل ہو گئیں۔ تو کیوں نہ سمجھ لیا جائے۔ کہ انہیں حل کرنے والا کوئی آجائے گا۔ اور ان کے حل سے کیوں مایوس ہوں۔ یہ چیز تھی۔ جسے حضرت مرزا صاحبؑ نے پیش کیا اور ایسا قرآن سکھایا۔ کہ دُنیا کی کوئی قوم قرآن کریم کے متعلق ہمارا

ساری دُنیا کو چیلنج

مقابلہ نہیں کر سکتی۔ میں ساری دنیا کو چیلنج دیتا ہوں۔ کہ کوئی ایک آیت قرآن کریم کی پیش کی جائے۔ جو حکمت سے خالی ہو۔ اور جس کے متعلق کہا جا سکے۔ کہ وُہ اس زمانہ میں قابل عمل نہیں۔ میں خدا کے فضل سے ثابت کر دوں گا۔ کہ اس میں ایسی خوبیاں ہیں جو دُوسری الہامی کتابوں میں نہیں وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ کے معنے ہی یہ ہیں۔ کہ وُہ کامل کتاب سکھائے گا۔ اور یہ اس لئے

مسلمانوں کی ایک اور غلطی کی اصلاح

فرمایا۔ کہ دُوسری کتابیں بھی ہیں۔ جو ایسی کامل نہیں۔ پھر مسلمانوں میں ایک خیال یہ بھی تھا۔ کہ سوائے قرآن کریم کے باقی سب کتابوں میں جھوٹ اور فریب ہے۔ مگر حضرت مرزا صاحبؑ نے آکر بتایا۔ کہ اس کامل کتاب سے پہلے بھی

لوگوں کو رہنمائی کی ضرورت تھی۔ اگر یہ تسلیم کیا جائے۔ کہ رسُول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے بھی انسان تھے۔ جو دل و دماغ رکھتے تھے۔ اُن کے اندر قربِ الٰہی کی خواہش تھی۔ تو ماننا پڑے گا۔ کہ وُہ اس بات کے بھی مستحق تھے۔ کہ خُدا کا کلام اُن کے لئے آئے۔ اگر یہ صحیح ہے کہ وُہ خُدا کی مخلوق تھے۔ تو یہ بھی صحیح ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ نے انہیں سکھانے کے لئے کوئی تعلیم بھی دی ہو گی۔ اور نبی بھی بھیجے ہونگے۔ مگر مُسلمان دنیا کی سب اقوام کے انبیاء کو جھوٹے سمجھتے تھے۔ الاماشاءاللہ۔ سوائے ان مخلص بندوں کے جو ہر زمانہ میں صحیح اسلام کے جھنڈے کو کھڑا رکھتے چلے آئے ہیں۔ یہاں تک کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آکر یہ بات پیش کی۔ کہ میں رام چندر اور کرشن جی کی بھی عزت کرتا ہوں۔ اور انہیں خُدا کے برگزیدہ انسان سمجھتا ہوں۔ تو آپ پر کفر کے فتوے لگائے گئے۔ کہ یہ کافروں کو مُسلمان بتاتا ہے۔ حالانکہ یہ کتنی عظیم الشان صداقت تھی۔ قرآن کریم اور اسلام کی جسے حقیقی کمال حاصل ہو۔ وُہ کسی سے ڈر نہیں سکتا۔ وہ جانتا ہے۔ کہ میرا کمال خود میری برتری کا ثبوت ہے۔ مگر جو کمزور ہو۔ وُہ ڈرتا ہے۔ اور چاہتا ہے۔ کہ میرے مقابل کوئی اور نہ ہو۔ جس سے میں شکست کھا جاؤں۔ پس قرآن نے دُوسروں کی صداقت تسلیم کر کے اپنی صداقت ظاہر کی۔ اور اپنا کمال ثابت کیا۔ چھوٹی سی صداقت رکھنے والا ڈرتا ہے۔ کہ مجھ سے بڑی صداقت معلوم ہوتے پر لوگ مجھے قبول نہیں

کریں گے لیکن قرآن کریم کو اس کا کوئی اندیشہ نہیں۔ وہ جانتا ہے۔ کہ دُوسری صداقتوں کا لوگ جتنا زیادہ مطالعہ کریں گے۔ اتنا ہی وہ میرے کمال کا اعتراف کریں گے۔ ایک چھوٹی سی ٹارچ رکھنے والا گھبراتا ہے۔ کہ جگنو بھی آجائے۔ تو میرے ٹارچ کی روشنی مشتبہ ہو جائے گی لیکن سُورج کی سی روشنی رکھنے والا لیمپوں سے کب ڈرتا ہے۔ پس **قرآن کا کمال** یہ تھا۔ کہ وہ تسلیم کرے۔ کہ انجیل توریت۔ وید۔ سب خدا کی طرف سے تھے۔ اور حضرت عیسےٰؑ۔ حضرت موسےٰؑ۔ حضرت کرشنؑ سب اللہ تعالےٰ کے نبی تھے۔ یہ ایک ایسی صداقت ہے۔ جسے حضرت مرزا صاحبؑ نے قرآن کی طرف لوگوں کی حقیقی توجہ منعطف کی۔ اگر کوئی شخص یہ عقیدہ رکھتا ہو۔ کہ توریت انجیل وغیرہ کتب جھوٹی ہیں۔ تو وہ انہیں مطالعہ کرنے کی ضرورت ہی نہیں سمجھے گا۔ اور نہ اس طرف متوجہ ہو گا۔ کہ دیگر مذاہب کا مطالعہ کرے۔ وہ یہی خیال کرے گا۔ کہ میں شیطانی کلام کیوں پڑھوں۔ اور اس طرح ان کے مقابلہ میں قرآن کی عظمت کا احساس بھی اس کے اندر پیدا نہ ہو سکے گا۔ لیکن جب وہ ان کتب کو الٰہی کلام سمجھے گا۔ تو گو انہیں قابلِ عمل نہ سمجھے۔ پھر بھی محبُوب کا کلام سمجھ کر ان کا مطالعہ ضرور کرے گا۔ کیونکہ محبُوب کا لباس خواہ پرانا ہی کیوں نہ ہو۔ پھر بھی اُسے دیکھنے کی خواہش ہوتی ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا اگر کوئی بوسیدہ جامہ مِل جائے۔ تو کیا کوئی مسلمان ایسا ہوگا۔ جو محض اسکے بوسیدہ ہونے کی وجہ سے اُس سے اپنی آنکھوں کو منور کرنیکی

کوشش نہ کرے۔ اسی طرح جب ایک انسان کو یہ یقین ہوگا۔ کہ پرانی کتب بھی دراصل خدا تعالےٰ کی طرف سے ہی ہیں۔ اور ایک زمانہ کے لئے وہ ہدایت کا موجب تھیں۔ تو وہ انہیں بھی پڑھنے اور مطالعہ کرنے کی کوشش کرے گا۔ کہ پہلی کتابوں سے زیادہ چیز اس میں سے تلاش کرے۔ اور اس طرح وہ قرآن کے مخفی خزانے نکالے گا۔ جب تک دوسری کتابوں کا حسن اس نے نہیں دیکھا تھا۔ وہ قرآن کی چھوٹی خوبیوں سے تسلی پا سکتا تھا۔ لیکن جب ان کو دیکھے گا۔ تو قرآن کے بڑے معارف معلوم کرنے کی کوشش کرے گا۔ اور اس کی مثال ایسی ہوگی۔ جیسے ایک شخص جو کسی گاؤں کا رہنے والا ہو۔ اس کے حُسن کا معیار معمولی ہوگا۔ لیکن جو شخص دنیا میں پھرنے والا ہوگا۔ اس کا اور۔ ایک گاؤں میں رہنے والا مصوّر اگر نیچر کا نقشہ کھینچے گا۔ تو یہی دکھائیگا۔ کہ سبزہ لہلہا رہا ہے۔ اور شاخوں پر چڑیاں بیٹھی ہیں۔ لیکن وہ مصوّر جس نے کشمیر یا سوئٹزرلینڈ کے قدرتی مناظر دیکھے ہوں گے۔ وہ ان کا مرقع اور مناظر پیش کرے گا۔ اسی طرح جس نے دوسری کتابوں کا مطالعہ نہیں کیا ہوگا۔ وہ قرآن کریم کی معمولی خوبیوں پر مطمئن ہو جائے گا۔ لیکن جس نے دوسری کتب دیکھی ہوں گی۔ وہ قرآن کریم کے مخفی خزانوں کی تلاش کرے گا۔

اس ایک نکتہ سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک ایسا گر بتا دیا۔ جس سے قرآن کریم کی تفسیر کے متعلق نقطۂ نگاہ ہی تبدیل ہوگیا۔ اور آج ہم ساری دنیا کے سامنے

یہ بات پیش کرتے ہیں۔ کہ تم کسی مذہب کی تعلیم خواہ وہ عبادت کے متعلق ہو۔ خواہ وہ تمدن کے متعلق۔ نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ۔ میاں بیوی کے تعلقات۔ بچوں سے سلوک۔ راعی ور عایا کے تعلقات۔ غرضیکہ روحانی و اخلاقی شعبوں کی کسی شاخ کے متعلق کوئی تعلیم پیش کرو۔ ہم اگر قرآن کریم سے اس سے بدرجہا بہتر اور مکمل پیش نہ کردیں۔ تو ہم جھوٹے ورنہ تمہیں یہ تسلیم کرنا پڑیگا۔ کہ قرآن کریم ہی الکتاب ہے۔

تعلیم کتاب و حکمت کے دروازے

چوتھی چیز حکمت سکھانا ہے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے کبھی جبر کی تعلیم نہیں دی۔ کیونکہ اس سے نیکی نہیں پیدا ہوتی۔ یہ کہنا کہ یہ کام کرو۔ تو جنت ملے گی۔ ورنہ خدا کا عذاب نازل ہوگا۔ یہ بات بچے کے متعلق تو کام دے سکتی ہے لیکن ایک عقلمند کے دل میں ضرور یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ اس کا تو مطلب یہ ہوا۔ کہ نماز اس لئے پڑھی جاتی ہے۔ کہ دوزخ سے بچ جائیں۔ ورنہ اپنی ذات میں نماز میں کوئی خوبی نہیں۔ بس ڈنڈے کے ڈر سے اس حکم کی تعمیل کرتا ہوں۔ یہ ایسی ہی بات ہے۔ جیسے بچہ سے کہیں کہ پڑھنے جاؤ۔ تمہیں فلاں کھلونا لے دیں گے۔ وہ بچہ علم کو علم کے لئے نہیں بلکہ کھلونے یا مٹھائی کے لئے حاصل کرے گا۔ لیکن

ایک طرف تو ہمارا یہ دعوٰی ہے۔ کہ انسان ترقی کرتے کرتے ایسے مقام پر پہنچ گیا تھا۔ کہ محمد رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جیسا کامل انسان پیدا ہوگیا۔ پہلے انبیاء کے وقتوں میں بنی نوع اِنسان کی حالت بچّوں کی سی تھی۔ اس لئے اُن کیلئے شریعت بھی ویسی ہی نازل ہوئی۔ پھر جب بلوغت کے قریب پہنچے۔ تو شریعت بھی اسی نسبت سے آگے بڑھی۔ حتیّٰ کہ محمد رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر آکر ختم ہوگئی۔ چونکہ آپؐ کے زمانہ میں اِنسان بالغ ہوگیا۔ لیکن سلوک اگر اب بھی اس سے بچّوں والا ہی کیا جائے۔ تو ہمارا یہ دعوٰے غلط ہوگا۔ کہ دنیا بلوغت کو پہنچ گئی۔ اگر اب بھی یہی کہا جائے۔ کہ نماز پڑھو۔ ورنہ دوزخ میں جاؤ گے۔ تو یہ انسان سے بچوں والا سلوک ہی ہوگا۔ میں ایک دفعہ ندوہ کے جلسہ میں گیا۔ وہاں ایک مولوی صاحب نماز پر لیکچر دے رہے تھے۔ میں اُن کا نام نہیں لیتا۔ اس وقت وُہ فوت ہو چکے ہیں۔ لیکن یہ بتا دیتا ہوں۔ کہ مولانا شبلی نہ تھے۔ وُہ ندوہ کے مدرّس تھے۔ اُن کے لیکچر کا خلاصہ یہ تھا۔ کہ نماز پڑھو۔ خدا کہتا ہے۔ فائدہ اس کا یہ ہے۔ کہ جنّت ملے گی۔ جنّت کیا ہے۔ ایک ایسی جگہ جہاں چاروں طرف خوبصورت اور جوان عورتوں کی تصویریں لگی ہونگی۔ جس تصویر کی خواہش کی جائے گی۔ وُہ فوراً متمثّل ہوکر حاضر ہوجائیگی وہاں انسان کے اندر اس قدر طاقت آجائے گی۔ کہ خواہ ۲۴ گھنٹہ مجامعت کرتا رہے۔ تکان محسوس نہ ہوگی۔ میرے قریب لکھنؤ

کے ایک بیرسٹر بیٹھے تھے۔ وُہ کہنے لگے۔ خُدا مولانا شبلی کا بھلا کرے۔ کہ آپ نے یہ لیکچر رات کو رکھا۔ ورنہ دن کو ہوتا۔ تو غیر مُسلم بھی آجاتے۔ اور ہمارے لئے شرم کے مارے یہاں سے اُٹھنا محال ہو جاتا۔ تو یہ بالکل بچّہ والی بات ہے۔ اور اگر نماز روزہ کی یہی حکمت ہے۔ تو یہ انسان سے بالکل بچّوں والا سلوک ہے۔ اور اس صُورت میں محمّد رسُول اللّٰہ صلے اللّٰہ علیہ وسلم کی بعثت کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ کیا حضرت آدمؑ یہ تعلیم نہ دے سکتے تھے۔ نماز پڑھانے کے لئے اِس سے چھوٹی دلیل اور کیا ہو سکتی ہے۔ اور اگر یہی دلیل تھی۔ تو نبیوں کے اس قدر لمبے سِلسلہ کی کیا ضرورت تھی۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ جب انسان بچّہ تھا۔ اُسوقت تو بیشک ایسی تعلیم کافی تھی۔ کہ مانو! تو انعام ملے گا۔ اور نہ مانو گے تو سزا۔ لیکن جوں جوں انسان ترقی کرتا گیا۔ شریعت بھی بدلتی گئی۔ حتّےٰ کہ قرآن کریم ایسی شریعت آئی۔ جس کے ہر حکم میں حکمت ہے۔ اور وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ کے یہی معنے ہیں۔ کہ یہ جو کچھ بیان کرتا ہے۔ اس کی حکمت بھی ساتھ بتاتا ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ اور تعلیم کتاب و حکمت

مگر یہ بات مُسلمانوں میں اب مفقود تھی۔ اِسلئے اللہ تعالےٰ نے حضرت میرزا صاحبؑ کو مبعوث کیا۔ آپؑ کی کتابیں پڑھو! آپ کو معلوم ہوگا۔ کہ کس طرح آپؑ نے اِسلام کے

ہر مسئلہ کی حکمت ایسے رنگ میں بیان فرمائی۔ کہ وہ اُسے دیگر ادیان پر فائق ثابت کرتی ہے۔ آپؑ کی ایک تصنیف **اسلامی اصُول کی فلاسفی** ہے۔ جس میں آپؑ نے یہی بات واضح کی ہے۔ اور یورپ کے بڑے بڑے معقول لوگوں نے اس پر ریویو کیئے ہیں۔ اور اعتراف کیا ہے۔ کہ اتنی چھوٹی سی کتاب میں اتنی اہم اور معقول باتیں بیان کرنا حیرتناک امر ہے۔ اس میں آپؑ نے بتایا ہے۔ کہ انسان اپنے اُوپر بدی کے رستے کس طرح بند اور نیکی کے دروازے کس طرح کھول سکتا ہے۔ غرضیکہ آپؑ نے اسلام کی خادم ایک ایسی جماعت قائم کردی ہے۔ جس کے مقابل

عیسائیّت پر احمدیّت کا رُعب

مذہبی میدان میں یورپ بھی نہیں ٹھہر سکتا۔ ایک دفعہ عیسائیوں کے تین باثر پادری قادیان آئے۔ اُن میں سے ایک مسٹر لوکس پرنسپل فورمین کرسچن کالج لاہور تھے۔ ایک مسٹر ہیوم لٹریری سکرٹری وائی۔ ایم۔ سی۔ اے۔ اور ایک مسٹر والٹر تھے۔ جو کہتے تھے۔ کہ احمدیہ جماعت کے متعلق میں ایک کتاب لکھنے کے لئے مواد فراہم کرنے کی خاطر امریکہ سے آیا ہوں۔ جب وہ واپس امریکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ تو مسٹر لوکس نے سیلون کے پادریوں کے سامنے ایک لیکچر دیا۔ اور کہا کہ عیسائیت کے غلبہ کی کوششوں میں جبتک صحیح راستہ اختیار نہ کیا جائے گا۔ کامیابی نہ ہوگی۔ اگر تم نے عیسائیت کو اسلام پر غالب کرنا ہے۔ تو

قادیان کی چھوٹی سی بستی کی طرف تمہیں متوجہ ہونا چاہیئے۔ جہاں عیسائیت کے مقابلہ کی زبردست تیاریاں ہو رہی ہیں۔ اور وہاں ایسے سامان مہیا ہو رہے ہیں۔ جن سے عیسائیت پاش پاش ہو جائے گی۔ وہ سامان کیا ہے۔ یہی کہ ہم اسلام کی ہر بات میں حکمت ظاہر کرتے ہیں۔

عیسائیت اور اسلام کی تعلیم کا موازنہ

اسلام عیسائیت کی طرح یہ نہیں کہتا۔ کہ اگر تمہارے ایک گال پر کوئی تھپڑ مارے تو دوسرا بھی آگے کر دو۔ قرآن کی تعلیم اس بارے میں یہ ہے۔ کہ مارنے کے موقعہ پر مارو! اور معاف کرنے کے موقعہ پر معاف کرو۔ ہر حالت میں غرض اصلاح ہو۔ جس طرح بھی کوئی نیک بن سکے۔ اسی طرح کرو۔ دنیا میں دونوں قسم کے ہی لوگ ہوتے ہیں۔ بعض مار سے ٹھیک ہوتے ہیں۔ اور بعض عفو سے۔ اس لئے اسلام نے دونوں باتیں جائز رکھیں۔ یہ نہیں کہا۔ کہ اگر کوئی تمہارے ایک گال پر تھپڑ مارے۔ تو دوسرا بھی اس کے آگے کر دو۔ مصر میں ایک پادری صاحب وعظ کیا کرتے تھے۔ اور روز یہی بات پیش کرتے۔ کہ دیکھو عیسائیت کی تعلیم کیسی اچھی ہے۔ جو دشمن کے متعلق بھی یہ کہتی ہے۔ کہ اس کا مقابلہ نہ کرو۔ بلکہ اگر وہ ایک گال پر تھپڑ مارے۔ تو دوسرا بھی اس کی طرف پھیر دو! ایک دن آپ یہی وعظ کر رہے تھے۔ کہ ایک منچلے نے بڑھ کر ان کے مونہہ پر تھپڑ مار دیا۔ اس پر پادری صاحب بھی اُسے مارنے لگے۔ اس نے کہا۔ آپ

ہر روز یہ تعلیم دیتے ہیں۔ کیا وجہ ہے۔ کہ عمل کے وقت اسکے خلاف کرتے ہیں۔ کہنے لگے۔ آج تو مجھے اسلام کی تعلیم پر ہی عمل کرنا پڑے گا۔ نہیں تو تم روز مجھے مار لیا کرو گے۔ جنگ عظیم کے موقعہ پر ایک فری تھنکر رسالہ نے ایک مضمون شائع کیا تھا۔ کہ کیا وجہ ہے۔ جرمنی اور فرانس آپس میں لڑتے ہیں۔ اگر جرمنی نے ایک صوبہ پر قبضہ کیا تھا۔ تو فرانس کی حکومت کو چاہیئے تھا۔ کہ کہتی آیئے۔ پیرس پر بھی قبضہ کر لیجیئے۔ غرضیکہ حضرت مرزا صاحبؑ کی تمام کتابیں اسلامی احکام کی حکمتوں سے بھری پڑی ہیں۔ اور آپؑ نے اپنی جماعت کو تعلیم دی ہے کہ اسلام کو جبر کے رنگ میں پیش نہ کرو۔ یہ ایسی چیز ہے۔ کہ اگر اسے صحیح رنگ میں پیش کیا جائے۔ تو ہر فطرت اسے تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔ خود مجھ سے کئی غیر مسلموں نے سورۂ فاتحہ کی تفسیر سُنکر کہا۔ کہ وُہ اسے یاد کریں گے۔ اِسی طرح کئی عیسائی۔ ہندو مخفی طور پر نمازیں پڑھتے ہیں۔ اگرچہ انہیں اظہار کی جرأت نہیں۔ تو یہ وہ اصول ہیں۔ جو احمدیت کے ہیں۔ یعنی زندہ خدا کو پیش کرنا۔ اعمال میں پاکیزگی پیدا کرنا اور قرآن کو دیگر ادیان پر غالب کرنا اور لوگوں کو سکھانا۔

مُسلمانوں کی قرآن کریم سے بے توجہی۔

مُسلمانوں نے قرآن کریم کیطرف توجہ بالکل چھوڑ دی تھی۔ لاہور میں مجھ سے تین مولوی صاحبان ملنے آئے۔ جن میں سے دو دیو بند کے تعلیمیافتہ تھے۔ بیٹھتے ہی

ایک نے سوال کیا۔ کہ آپ لاہور کیوں آئے ہیں۔ مَیں نے کہا یہاں
ایگریکلچرل نمائش تھی۔ اسے دیکھنے کا خیال تھا۔ بچّے بھی دیکھنا
چاہتے تھے۔ اس لئے آگیا۔ ایک نے پوچھا آپ کی تعلیم کتنی
ہے۔ مَیں نے کہا میں کسی مدرسہ کا باقاعدہ تعلیم یافتہ نہیں ہوں۔
کہنے لگے۔ آخر کچھ تو پڑھا ہوگا۔ مَیں نے کہا قرآن پڑھا ہے۔ پھر
پُوچھا۔ انتہائی تعلیم کیا ہے۔ مَیں نے کہا یہی ابتدائی اَور یہی
انتہائی ہے۔ پھر سوال کیا۔ کہ انگریزی پڑھی ہوگی۔ مَیں نے کہا
مَیں مدرسہ میں پڑھا کرتا تھا۔ مگر شروع سے انٹرنس تک ہمیشہ
فیل ہی ہوتا رہا۔ کہنے لگے۔ کہ انگریزی بھی نہیں پڑھی۔ اَور عربی
بھی نہیں۔ ایک فرمانے لگے۔ پرائیویٹ طور پر تحصیل کی ہوگی۔
مَیں نے کہا صرف قرآن کی۔ وہ اس امر پر حیران تھے۔ کہ میں نے
سوائے قرآن کے اور کوئی تعلیم حاصل نہیں کی! اور مَیں اس پر حیران ہو رہا
تھا۔ کہ یہ بیچارے قرآن پڑھنے کو معمولی تعلیم سمجھتے ہیں۔ حالانکہ
سارے علوم اس کے اندر ہیں۔

قرآن سب علوم کا جامع ہے

مَیں نے کسی کالج میں تعلیم نہیں
پائی۔ اَور سکول کی تعلیم کی حالت کا
ابھی میں نے ذکر کر دیا ہے۔ لیکن
میرا دعوٰی ہے۔ کہ مجھے قرآن آتا ہے۔ اَور کوئی فلاسفر۔
کوئی سائیکالوجسٹ۔ کوئی سائنس دان غرضیکہ کسی علم
کا ماہر آئے۔ اور اپنے علم کے رُو سے اسلام پر اعتراض
کرے۔ اگر اُسی کے علم سے میں اس کا رَدّ نہ کر دوں! تو

جھوٹا۔ میں ہندوستان میں بھی سب جگہ گیا ہوں۔ اور یورپ بھی گیا ہوں۔ اور ہر قسم کے علوم جاننے والوں سے گفتگوئیں ہوئی ہیں۔ جن میں بڑے بڑے فلسفہ دان۔ سائینس دان سپیرو جولزم کے ماہر تھے۔ مگر سب کو قرآن کے ذریعہ خاموش کردیا۔ کیونکہ قرآن سب علوم کا جامع ہے۔ یہ ایک مخفی خزانہ ہے۔ کسی مذہب و ملت یا کسی مذہب کے جاننے والے کو میرے سامنے لے آؤ۔ یا مجھے جہاں کہو! میں جاؤں گا۔ اور جو شخص بھی سامنے آئے گا۔ قرآن کی فضیلت اُس پر اور اُسکے علوم پر ثابت کردوں گا۔ اور خدا کے فضل سے۔ اُسے خاموش ہونا پڑے گا۔ حالانکہ میں مروّجہ علوم پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ وہ بھی کیا علوم ہیں۔ جن کے پڑھنے کے بعد اور کتابیں پڑھنے کی ضرورت باقی رہے۔ مگر قرآن وہ کتاب ہے۔ جسے پڑھنے کے بعد اور کسی کتاب کی ضرورت نہیں رہتی۔ اللہ تعالیٰ فضل فرمائے حضرت خلیفہ اوّل مولوی نور الدینؓ صاحب پر آپ نے مجھے قرآن کریم اور بخاری پڑھادی تو فرمایا۔ میں نے سارے علوم تمہیں پڑھا دیئے ہیں۔ گو اپنے طور پر میں نے بعد میں مطالعہ جاری رکھا۔ مگر بخاری بھی قرآن کی تابع ہے۔ اور محض علم کی تازگی کے لئے اُسے پڑھنے کی ضرورت ہے۔ وگرنہ قرآن کے بعد اس کی بھی ضرورت نہیں رہتی۔ ہاتھی کے پاؤں میں سب کا پاؤں۔ قرآن کے اندر ہی سب چیزیں موجود ہیں۔ مگر مسلمانوں کو اس طرف توجہ نہ تھی۔ اور قرآن سے اُن کا تعلق باقی

نہ رہا تھا۔ حضرت مرزا صاحبؑ کے ایک دوست تھے۔ جنہیں مولوی محمدؐ حسین صاحب سے بھی عقیدت رہتی۔ جب آپؑ نے دعویٰ کیا۔ اور مولوی محمدؐ حسین صاحب مخالفت کیلئے اُٹھ کھڑے ہُوئے۔ تو انہوں نے اُن کو لکھا۔ کہ آپ گھبرائیے نہیں۔ مجھے یقین ہے کہ مرزا صاحبؑ کو قرآن پر ایمان ہے۔ مَیں انہیں مل کر سمجھالوں گا۔ اور مجھے یقین ہے۔ کہ وُہ مان جائیں گے۔ چنانچہ وُہ آپؑ سے ملنے آئے۔ اور کہا آپؑ کا کیا یہ دعویٰ ہے کہ عیسےٰ علیہ السلام فوت ہو گئے ہیں۔ حضرت مرزا صاحبؑ نے فرمایا۔ ہاں قرآن میں ایسا ہی لکھا ہے۔ وُہ کہنے لگے۔ کہ اگر میں قرآن شریف کی دس آیات ایسی پیش کردوں جن سے حضرت عیسےٰؑ کا زندہ ہونا ثابت ہو۔ تو کیا آپؑ مان لیں گے۔ آپؑ نے فرمایا۔ دس آیات کیا۔ اگر ایک آیت کا ٹکڑا بھی پیش کر دیں، تو میں مان لوں گا۔ کہنے لگے۔ بس مجھے آپ سے یہی امید تھی، اور یقین تھا۔ کہ آپ قرآن کے خلاف نہیں جائیں گے۔ مولوی محمدؐ حسین صاحب ان دنوں لاہور میں تھے۔ وُہ اُن کے پاس پہونچے اور کہا کہ بس اب فیصلہ ہوگیا ہے۔ مرزا صاحب فوراً مان جائیں گے۔ آپ صرف اتنا کریں۔ کہ دس آیات ایسی لکھدیں۔ جن سے حیاتِ مسیح ثابت ہو۔ یہ سُن کر مولوی صاحب جھنجھلا کر بولے۔ کہ بیوقوفوں کو کس نے کہا ہے۔ کہ علمی مسائل کے اندر دخل دیں۔ تین ماہ کی بحث کے بعد میں مرزا صاحب کو کھینچکر حدیث کی طرف لایا تھا۔ یہ پھر

کی طرف لے گئے ہیں۔ اُنہوں نے کہا کہ اچھا پھر جدھر
ن ہے اُدھر ہی میں ہوں۔ تو مسلمانوں کی یہ حالت تھی۔
س کی طرف اُن کی کوئی توجہ نہ تھی۔ حالانکہ قرآن ہی تمام علوم
مع ہے۔ اور اسی سے سب مسائل حل ہو سکتے ہیں۔
ی قسم کا اعتراض ہو۔ کوئی وسوسہ پیش کرو۔ قرآن میں
ں کا جواب ہے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔ لقد
لقنا الانسان ونعلم ما توسوس بہ نفسہ۔ یعنی
نے چونکہ انسان کو پیدا کیا ہے۔ ہم خوب جانتے ہیں۔ جو
سہ بھی اس کے دل میں پیدا ہوتا ہے۔ یہ وقت نہیں کہ
س مسئلہ پر وضاحت سے روشنی ڈال سکوں۔
میرا دعویٰ ہے۔ کہ کسی علم والا میرے سامنے آئے اور
یہ مذہبی مسئلہ قرآن سے نکال دو۔ میں انشاء اللہ وہ بھی اور
کا جواب بھی نکال دوں گا۔

ردانہ اور مشورہ

پس احمدیت کے یہی اصول ہیں۔ اور
حضرت مرزا صاحبؑ نے یہی دُنیا کے سامنے
پیش کئے۔ اور آپؑ کی جماعت بھی یہی پیش
ہے۔ اس نور ہدایت پر غور کرو۔ اور دیکھو کہ قرآن
ہو کر آپؑ کے مریدوں کے ہاتھوں میں بولتا ہے یا نہیں
سروں کو اس کے حل کرنے کے لئے اور کتابوں کی
رت ہے۔ مگر ہمارے ہاتھوں میں یہ خود بولتا ہے۔
یسی بات ہے۔ کہ جو اس کے لئے سچی جستجو کرے۔

حاصل کر سکتا ہے۔ قرآن کریم نے فرمایا ہے:- وا
جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا۔ ب
بجائے اس کے کہ احمدیوں کو گالیاں دی جا
کیوں نہ خدا تعالیٰ سے دُعا کی جائے۔ کہ جو
سچ ہے۔ وُہ ہمیں بتا دے۔ اگر احمدیت حق ہے
اُسے قبول کرنے کی توفیق دے۔ ورنہ اس سے ب
نہ ہماری مانو! اور نہ کسی مولوی کی۔ بلکہ خدا سے کہو! کہ تو
محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہماری ہد
کے لئے پیدا کیا۔ قرآن کو نازل کیا۔ مگر اب یہ ش
پیدا ہوتا ہے۔ کہ حق کس طرف ہے۔ اس لئے ہم
آپ کو تیرے سامنے ڈالتے ہیں۔ اور عبودیت اور تذ
کے ساتھ عرض کرتے ہیں۔ کہ جو حق ہے۔ ہم پر کھول
اور اگر اللہ تعالیٰ تمہارے دل میں یہ بات ڈال دے
احمدیت سچ ہے تو اسے مان لو!

محمد عنایت اللہ پرنٹر و پبلشر تاجر کتب مالک نصیر بک ایجنسی قادیان
گیلانی الیکٹرک پریس ہسپتال روڈ لاہور میں چھپوا کر نصیر بک ایجنسی قادیان سے شائع
(کتبہ محمد اسماعیل کاتب)